دارالعلوم دیوبند کے عظیم فرزند
شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ندیم الواجدی

یادگارِ اکابر، استاذ الاساتذہ، رئیس المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحبؒ اب اس دنیائے فانی میں نہیں رہے، یہ خبر وحشت اثر ۱۶/ جنوری کی شب ۱۰ بجے کے قریب پاکستان سے آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا میں پھیل گئی، جو لوگ بھی سلسلۂ دیوبند سے وابستہ ہیں اور جن لوگوں کو مدارس اسلامیہ اور علوم دینیہ سے ذرا بھی تعلق ہے وہ اس خبر سے بے چین ہوا ٹھے، حالاں کہ نہ یہ خبر غیر متوقع تھی اور نہ تعجب خیز، ایک نہ دیک دن تو یہ ہونا ہی تھا کیوں کہ موت ہر ذی نفس کو آنی ہے اور حضرت تو عمر کی اس منزل پر پہنچ چکے تھے جہاں ہر دم جدائی کا دھڑکا لگا رہتا ہے، اس کے باوجود لوگوں کو اس خبر سے ایسا لگا کہ جیسے ان پر کوئی اچانک افتاد آپڑی ہو اور وہ کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہوگئے ہوں، دراصل بزرگوں کی وفات کا غم ہوتا ہی ہے بے حد تکلیف دہ اور اذیت ناک، اس یقین کے باوجود کہ ہمارے بڑوں اور بزرگوں کو بھی بالآخر اس دنیا سے رخصت ہونا ہے ان کی وفات غم واندوہ کا کوہ گراں ثابت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی وفات سے امت اسلامیہ کو بالخصوص مدارس عربیہ کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی فرمائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاںؒ کا تعلق آفریدی پٹھانوں کے خاندان ملک دین خیل سے ہے جو غیر منقسم ہندوستان کے آزاد قبائلی علاقے میں سکونت پذیر تھا، آج کل یہ علاقہ پاکستان میں ہے اور حضرت کا قبیلہ اس علاقے کے ''خیبر ایجنسی'' میں واقع چورا میں رہتا تھا، کسی وقت اس قبیلے کے کچھ افراد مظفر نگر یوپی کے قصبہ حسن پور لوہاری میں آبسے تھے، حضرت ۲۵ دسمبر ۱۹۲۶ء کو اسی قصبے میں پیدا ہوئے، حسن پور لوہاری جماعت دیوبند کے سرخیل سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پیرومرشد حضرت شیخ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کا مسکن رہا ہے، اس لحاظ سے یہ قصبہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے، مولانا سلیم اللہ خاں صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم اسی قصبے کے دو استاذوں سے حاصل کی جن میں سے ایک کا نام منشی اللہ بندہ ہے، ان سے حضرت نے قرآن کریم ناظرہ پڑھا، مغرب کے بعد

گھر پر پڑھانے کے لیے تشریف لاتے تھے، حافظ نہیں تھے، اس کے باوجود روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرنے کا معمول تھا، قناعت پسندی اور دنیا سے بے رغبتی میں اپنی مثال آپ تھے، دوسرے استاذ منشی بندہ حسن تھے جن سے اُردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی، یہ بھی پرہیزگار اور متقی انسان تھے، اکثر و بیشتر ذکر واذکار اور نوافل میں مشغول رہتے تھے۔

قرآن کریم اور اُردو فارسی کی تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے مہتمم حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کی خدمت میں بھیج دیے گئے، جلال آباد تھانہ بھون اور حسن پور لوہاری سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس قصبے میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کی ذمہ داری اپنے ممتاز خلیفہ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں شیروانیؒ کو سونپ دی تھی، مولانا سلیم اللہ خاںؒ نے دو سال چھ ماہ کی مدت میں چار سال کا عربی نصاب یہاں رہ کر مکمل کیا، اکثر کتابیں حضرت مولانا مسیح اللہ خاںؒ سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

جلال آباد کے بعد راہ علم کے اس مسافر کی اگلی منزل دیوبند تھی جہاں انھوں نے پانچ سال گزارے اور دار العلوم دیوبند کے رائج نصاب کے مطابق جملہ فنون؛ منطق، فلسفہ، ادب، اصول، ریاضی، فقہ، کلام، تفسیر اور حدیث کی کتابیں متعدد اساتذۂ فن سے پڑھیں فراغت کے وقت حضرت کی عمر بیس سال تھی۔ حصول علم کا شوق بچپن ہی سے تھا، محنتی بھی تھے اور ذہین بھی، اس پر جلال آباد میں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کی نگرانی اور توجہ، دار العلوم دیوبند کا صاف ستھرا علمی ماحول اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ جیسے حضرات کی موجودگی، ان سب اسباب نے مل کر علم و عمل، تقوی اور بزرگی کا جو پیکر تراشا وہ حضرت مولانا سلیم اللہ خاںؒ کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔

مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں ایک مرتبہ سالانہ امتحان کے لیے مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ تشریف لائے، انھوں نے دس بارہ طلبہ کی جماعت کا امتحان لیا، دو طالب علموں کے متعلق وہ یہ لکھ کر گئے کہ ''یہ دو بچے بڑے باصلاحیت ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے دین کی خدمت لے گا'' ان میں سے ایک بچے کا نام سلیم اللہ تھا جو آگے چل کر اپنے وقت کا عظیم محدث بنا، اور دوسرے بچے کا نام رفیق احمد تھا، جو بعد میں علامہ رفیق احمد کہلائے اور مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے شیخ الحدیث بنے۔ یہ دونوں ساتھی جلال آباد سے دیوبند بھی ساتھ ہی آئے، یہ واقعہ ۱۹۴۲ء کا ہے، دونوں نے ساتھ ہی پڑھا، ایک دوسرے کے ساتھ دوستی بھی رہی اور پڑھنے میں منافست اور مسابقت کا سلسلہ بھی رہا، دونوں ایک دوسرے سے چھپ کر پڑھتے اور ایک دوسرے کے سامنے اس طرح کا مظاہرہ کرتے گویا وہ آج کل پڑھ ہی نہیں

رہے ہیں، دونوں ساتھی ایک دوسرے سے نظر بچا کر جنگل کا رخ کرتے اور گھنے درختوں کی شاخوں پر کتابیں لے کر بیٹھ جاتے، دونوں یہ کوشش کرتے کہ اس کے ساتھی کو اس کے مطالعے اور محنت کی خبر نہ ہو۔

مولانا سلیم اللہ خاںؒ بچپن ہی سے نہایت ذہین تھے، اس پر شوق اور محنت، ان تینوں چیزوں نے ان کی علمی شخصیت کی تشکیل میں بڑا کردار ادا کیا ہے، قدرت نے ان کو بے نظیر حافظہ عطا کیا تھا، ان کی قوت حفظ کے واقعات پڑھ کر اور سن کر قرون اولیٰ کے محدثین کے حافظے کے واقعات تازہ ہو جاتے ہیں، ان کے شاگرد رشید مولانا ابوالحسن عباسی نے ایسے ہی دو واقعات لکھے ہیں۔

''طالب علمی کے زمانے میں رمضان کی تعطیلات گزارنے کے لیے دارالعلوم دیوبند سے اپنے گھر آئے، خیال ہوا کہ چھٹیوں کے اس وقفے میں قرآن کریم کے کچھ پارے حفظ کرلوں، رمضان سر پر تھا، مشورہ ہوا کہ روزانہ چوتھائی پارہ یاد کرلیا کرو اور تراویح میں سنا دیا کرو، اس طرح تراویح بھی ہو جائے گی اور رمضان میں تمہیں سات آٹھ پارے بھی یاد ہو جائیں گے، اب جو یاد کرنے بیٹھے تو چوتھائی کے بجائے پورا پارہ یاد ہو گیا، اور اس شان سے یاد ہوا کہ اسی رات تراویح میں سنا بھی دیا، کبھی کبھی سوا پارہ یا ڈیڑھ پارہ بھی یاد کر لیتے، رمضان کی ستائیسویں شب میں قرآن کریم کی تکمیل ہوگئی، جس نے سنا حیرت میں رہ گیا، علاقے کے لوگوں کو بالخصوص حفاظ کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو انہیں یقین ہی نہ آیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے، مگر انکار ممکن نہ تھا کیوں کہ یہ واقعہ ظہور میں آچکا تھا۔'' (متاع وقت کاروان علم، ص: ۲۵۸)۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز واقعہ درس نظامی میں شامل منطق کی مشہور کتاب ''سلم العلوم'' کو دس دن میں حفظ کرنے اور بغیر پڑھے اس کا تکرار کرانے اور امتحان دینے کا ہے، دارالعلوم دیوبند میں جب مولانا سلیم اللہ خاںؒ داخل ہوئے تو اس سال فن منطق کی کتاب ''میر قطبی'' پڑھی، جلال آباد میں آپ ''قطبی'' پڑھ کر آئے تھے، خواہش یہ تھی کہ اس سال ''سلم العلوم'' بھی پڑھ لیں، لیکن گھنٹوں کی ترتیب اس کی اجازت نہ دیتی تھی، سلم العلوم اپنی پیچیدہ عبارت اور مشکل مباحث کے باعث ہمیشہ طلبۂ مدارس کے لیے دردسر بنی رہی ہے، اس وقت بھی یہی حال تھا، بہت سے طلبہ اس میں فیل ہو جاتے تھے، ایسے تمام طلبہ کو سالانہ امتحانات کے موقع پر دوبارہ امتحان دینے کا موقع دیا جاتا تھا، بہت سے طلبہ جو کسی دوسرے مدرسے سے سلم العلوم پڑھ کر آتے وہ بھی امتحان میں شریک ہو جاتے تاکہ اگلے سال انہیں وہ کتاب پڑھنی نہ پڑھے، مولانا سلیم اللہ خاں صاحبؒ نے بھی سلم العلوم کا امتحان دینے کی درخواست دی، امتحان میں صرف دس دن باقی تھے، ان دس دنوں میں آپ نے سلم العلوم حفظ کی اور اس کے مباحث اس طرح یاد کیے کہ پورے سال سلم العلوم پڑھنے والے طلبہ کو تکرار بھی کرایا، بلکہ ان طلبہ کو بھی تکرار کرایا جو اس کتاب

میں فیل ہو گئے تھے اور اب وہ سند فضیلت حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کے امتحان میں شرکت کی غرض سے آئے تھے، نتیجہ نکلا تو جن دو طالب علموں نے اس کتاب میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے ان میں ایک مولانا سلیم اللہ خانؒ تھے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ نے ۱۹۴۷ء میں دار العلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں خدمت تدریس پر مامور ہوئے جو آپ کا اولین مادر علمی بھی تھا، اس مدرسے میں حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ کی زیر نگرانی تدریسی سفر شروع کیا جو تادم واپسیں جاری رہا، جلال آباد میں آپ نے آٹھ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۵ء میں پاکستان تشریف لے گئے، وہاں تین سال دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد ٹنڈو الہ یار سندھ میں درس وتدریس میں مشغول رہے، یہ ادارہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا قائم کیا ہوا تھا، یہاں سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ کے قائم کردہ مدرسے دار العلوم کورنگی ٹاؤن کراچی تشریف لے گئے اور مسلسل دس سال تک وہاں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، ایک سال حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے جامعہ الاسلامیہ میں رہے، جہاں بھی رہے درس نظامی کے ہر فن کی بڑی اور اہم کتابیں پڑھائیں، ۱۹۶۷ء میں اپنے ادارے دار العلوم فاروقیہ کراچی کی بنیاد رکھی، جو آج پاکستان کے بڑے تعلیمی اداروں میں سے ایک ہے، اور بیرون ملک تک اس کی شہرت ہے، پاکستان کا یہ واحد مدرسہ ہے جہاں سے عربی، اُردو اور انگلش تینوں زبانوں میں ماہانہ رسائل شائع ہوتے ہیں، فیصل کالونی میں اس کی پرشکوہ عمارت دعوت نظارہ دیتی ہے۔

بلاشبہ حضرت مولانا میدانِ تدریس کے شہسوار تھے، جہاں بھی رہے انھوں نے اس فن کا حق ادا کیا، یہاں تک کہ تعطیلات میں بھی مشتاقان علم کی ایک جماعت کسب فیض کے لیے ان کے اردگرد اس طرح موجود رہتی تھی جس طرح پروانے شمع کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں، درس نظامی میں داخل کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو ان کے زیر درس نہ رہی ہو، ایک زمانے تک انھوں نے مکمل صحاح ستہ اور مشکوۃ شریف کی دونوں جلدیں خود پڑھائی ہیں، آج پورے پاکستان میں اور پاکستان سے باہر، ناروے، جرمنی، ساؤتھ افریقہ، سعودی عرب، کویت، قطر، عرب امارات، عمان، انگلینڈ، امریکہ، کناڈا، کوریا، افریقہ، فرانس، ملائیشیا، رنگون ہندوستان، بنگلہ دیش، ایران اور افغانستان میں بھی ان کے ہزاروں شاگرد موجود ہیں، پاکستان میں تو ان کا دائرہ بے حد وسیع ہے، مولانا مفتی رفیع عثمانی، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا شمس الحق، مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا حبیب اللہ مختار اور مولانا عنایت اللہ، مولانا سید حمید الرحمٰن، مولانا احمد الرحمٰن، مولانا جمشید علی خاں جیسے مشاہیر علماء آپ کے ممتاز تلامذہ میں شامل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی اور تدریسی مزاج کی ان پر گہری چھاپ تھی، اکابرین دیوبند سے ان کو بڑا تعلق تھا جس کا اظہار وہ اپنی درسی اور غیر درسی تقریروں میں کرتے رہتے تھے، دارالعلوم میں ان کے قیام کی مدت اگرچہ ساڑھے چار سال ہے، مگر اس کم مدت میں بھی انھوں نے یہاں کے اساتذہ سے بھرپور استفادہ کیا، خود فرماتے ہیں ''میرے محسن استاذ جن کے تلمذ کے طفیل مجھے حدیث شریف سے مناسبت ہوئی اور اس سے تعلق ہوا وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ ہیں، حضرت کا ترمذی شریف کا درس روزانہ دو دو اور ڈھائی ڈھائی گھنٹے اس شان سے ہوتا تھا کہ یہاں نظروں کو پھر وہ خوش گوار منظر کہیں دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا، حضرت کے درس ترمذی میں حدیث کے فنی مباحث پر سیر حاصل بحث ہوتی تھی، اسناد، جرح وتعدیل اور تطبیق وترجیح کی بحثیں، فقہی کلامی، تاریخی مسائل اور اخلاقی واصلاحی گفتگو بڑے بسط وتفصیل سے فرمایا کرتے تھے، صحاح ستہ اور دیگر کتب برابر میں رکھی رہتی تھیں، حوالے کی ہر بات کو کتاب کھول کر اور اس کی عبارت پڑھ کر بیان فرماتے تھے، طلبہ کے ہر قسم کے سوالات کا نہایت خندہ پیشانی سے تفصیلی جواب عنایت فرماتے، یہی درس ترمذی احقر کی اس فن سے مناسبت کی بنیاد ہے۔ (کشف الباری:۱/۸۵)۔

دارالعلوم دیوبند کی ایک اور رجال ساز شخصیت استاذ الاساتذہ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''شیخ الادب والفقہ کا ابوداؤد کا درس بھی معاون بنا، اور ان کے درس سے بھی احقر نے بہت کچھ سیکھا، ترمذی شریف کتاب السیر سے آخر تک مع شمائل ترمذی بھی احقر نے حضرت شیخ الادب ہی سے پڑھی''۔ (حوالۂ سابق)۔

یہ تو ان کی تدریسی زندگی کی تشکیل وتعمیر اور فن حدیث سے مناسبت کا پہلو ہے، لیکن نوعمری میں ان کی شخصیت جن مقدس اور مبارک ہاتھوں سے بنی سنوری وہ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں شیروانیؒ ہیں، اپنے اس عظیم محسن کے متعلق شیخ سلیم اللہ خاںؒ فرماتے ہیں: ''میری زندگی میں سب سے زیادہ تبدیلی، دینی جذبات کی پرورش، اخلاق واعمال کے حسن وقبح کا احساس، ان کی اصلاح کی طرف توجہ اور ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو رجال دین میں شامل کرنے کا شوق اور جذبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر پیدا ہوا''۔ (حوالہ سابق)

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحبؒ کی زندگی کا ایک اہم پہلو وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ان کی وابستگی ہے، اس وفاق کی بنیاد ۱۹۵۹ء میں رکھی گئی ۱۹۸۰ء میں آپ کو اس کا ناظم اعلا بنایا گیا، اور مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ کی وفات کے بعد ۱۹۸۹ء میں آپ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا، اس منصب پر وہ آخر تک فائز رہے، وفاق المدارس العربیہ دیوبند کے طرز پر چلنے والے مدارس کا پاکستان میں سب سے بڑا تعلیمی بورڈ ہے جو خود مختار ادارے کی

حیثیت سے کام کرتا ہے، اس وقت اس وفاق سے دیوبند مکتب فکر کے انیس ہزار پانچ سو چار مدارس اور جامعات منسلک ہیں، ان مدارس میں ایک لاکھ چودہ ہزار چار سو چالیس اساتذہ خدمت تدریس پر مامور ہیں اور تین لاکھ چھ ہزار دوسو اناسی طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، وفاق المدارس سے اب تک فارغ التحصیل ہونے والے علماء کی تعداد ایک لاکھ انیس ہزار آٹھ سو بانوے اور عالمات کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار اٹھائیس اور حفاظ کی تعداد نو لاکھ پچیس ہزار ایک سو بانوے ہے۔

مولانا سلیم اللہ خاںؒ کے دور صدارت میں وفاق المدارس کا دائرۂ عمل وسعت اختیار کر گیا ہے، ملحقہ مدارس کی تعداد میں قابل قدر اضافہ ہوا، نصاب کی پابندی ہوئی، مدارس میں درجہ بندی لازمی ہوئی، پہلے صرف مرحلۂ عالیہ (دورۂ حدیث) کا امتحان وفاق کے تحت ہوتا تھا، اب تمام مراحل کے امتحانات ہونے لگے، وفاق کے انتظامی امور میں بھی مثبت تبدیلیاں آئیں، اس کی کارکردگی بہت بہتر ہوگئی اور اس کی سندیں جامعات کی اعلا سندوں کے مساوی قرار پائیں۔

پاکستان میں مولانا سلیم اللہ خاںؒ جرأت وشجاعت، بے باکی اور حق گوئی کی علامت سمجھے جاتے تھے، حالات کتنے ہی حوصلہ شکن کیوں نہ ہوں مگر وہ پیش آنے والے حالات وواقعات کے سامنے چٹان بن کر کھڑے ہوجاتے تھے۔ مدارس عربیہ کو بارہا مشکل حالات سے گزرنا پڑا مگر وہ اپنی دور اندیشی، تدبر اور حوصلہ مندی سے ان مشکل حالات کی دلدل سے مدارس کو نکال کر لے گئے، نائن الیون کے بعد حالات بڑے سخت اور صبر آزما تھے، حکومت پاکستان پر غیر ملکی دباؤ تھا، ذرائع ابلاغ مخالفت میں کھڑے ہوئے تھے، لال مسجد جیسا واقعہ پیش آچکا تھا، سب کی انگلیاں مدرسوں کے نصاب اور نظام پر اٹھ رہی تھیں، ایسے میں مولانا سلیم اللہ خاںؒ نے وفاق کے اسٹیج سے قائدانہ رول ادا کیا، اور حسن تدبر کے ساتھ مدارس کو اس کٹھن دور سے نکالا۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خاںؒ تصنیف وتالیف کے میدان کے آدمی نہیں تھے، ان کی تصانیف وتالیفات ان کے وہ ہزاروں تلامذہ ہیں جو درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی لگے ہوئے ہیں، ایسے ہی ان کے دو ممتاز شاگردوں نے ان کی تقریر بخاری کو محقق اور مرتب ومدون کر کے ایسا کام کیا ہے جو رہتی دنیا تک خود اُن کا اور ان کے شیخ کا نام زندہ رکھے گا۔

حضرت نے سالہا سال تک بخاری شریف کا درس دیا ہے، پچیس سال کے مسلسل درس کے بعد یہ درسی تقریریں ٹیپ کی گئیں، تمام اسباق چار سو کیسٹوں میں محفوظ کئے گئے، پھر ان کیسٹوں کو حضرت نے خود سنا، اس کے بعد یہ اسباق تحریر میں لائے گئے، اب درسی تقریر بائیس جلدوں میں ''کشف الباری'' کے نام سے پاکستان کے ساتھ

ساتھ ہندوستان میں بھی چھپ چکی ہے، ہندوستان میں اس کی طباعت کا شرف دار الکتاب دیوبند کو حاصل ہوا ہے، یہ کتاب اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے علمی حلقوں میں بے حد مقبول ہے۔ اس ضعیفی اور کبرسنی میں بھی وہ ذہنی طور پر پوری طرح مستعد اور چاق چوبند تھے، حالاں کہ جسمانی طور پر معذور ہو چکے تھے، حال ہی میں انھوں نے بیماری اور ضعف کے باوجود تبلیغی جماعت کے قضیے میں جس بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے، اور مولانا سعد سمیت تمام اکابرین دیوبند کو جس کرب اور دلسوزی کے ساتھ خطوط لکھے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ امت مسلمہ کے احوال سے پوری طرح باخبر رہتے تھے اور پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے میں پوری دل چسپی بھی لیتے تھے۔

بچپن ہی سے مولانا سلیم اللہ خاں کا نام سنتے آرہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دیوبند کے پڑھے ہوئے تھے، دیوبند کے قریب ایک بستی کے رہنے والے تھے، جلال آباد میں استاذ تھے، جہاں میرے والد اور دادا دونوں عرصۂ دراز تک مدرس رہے، یہ رشتہ ہمارے والد محترم حضرت مولانا واجد حسینؒ شیخ الحدیث تعلیم الدین ڈابھیل گجرات اور حضرت مولانا سلیم اللہ خاںؒ کی دوستی اور باہمی تعلق کا سبب بنا، دار العلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر مولانا سلیم اللہ خاںؒ اپنے قافلے کے ہمراہ ہمارے گھر پر ہی ٹھہرے، ان دنوں ان کو قریب سے دیکھنے اور ان کی خدمت کرنے کا کچھ موقع میسر آیا، حضرت اپنے ساتھ پاکستان سے فتاوی عالمگیری، فتاوی شامی، بدائع الصنائع، البحر الرائق وغیرہ کے کچھ سیٹ لے کر آئے تھے، جو میں نے اجلاس صد سالہ کے دوران اپنے بک اسٹال پر رکھے، کچھ کتابیں اس وقت فروخت ہوئیں اور کچھ بعد میں، لوہاری کے قاری عزیز الرحمٰن اس تجارت میں ہمارے درمیان واسطے کا کام کر رہے تھے، ان کے انتقال کی خبر سن کر وہ تمام مناظر نگاہوں کے سامنے آگئے، کتنی سادگی تھی اور کس قدر منکسر المزاج تھے، اس کا اندازہ ان چند ملاقاتوں میں ہوا۔ ابھی حال ہی میں حضرت کی ایک کتاب نظر سے گزری جو ''تسہیل الادب'' کے نام سے پاکستان میں چھپی ہے، اس کے پیش لفظ میں حضرت نے اس حقیر کا ذکر خیر کیا ہے اور میری تالیف کردہ کتاب ''معلم العربیہ'' کا حوالہ دیا ہے جو میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔

حضرت مولانا کا انتقال پاکستان ہی کے لیے نہیں ہندوستان کے اہل علم اور مدارس کے لیے بھی بڑا تکلیف دہ حادثہ ہے، جس کا اظہار علمی اور دینی حلقوں کی طرف سے مسلسل ہو رہا ہے، بلاشبہ حضرت کے اٹھ جانے سے دینی اور علمی حلقوں میں جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ آسانی سے پُر ہونے والا نہیں ہے۔

☆☆☆